پلڈاٹ
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمینٹ
اینڈ ٹرانسپیرینسی

پاکستان میں معیارِ جمہوریت کا جائزہ

2016

پلڈاٹ نے سال 2016 کیلئے پاکستان میں معیارِ جمہوریت کو 46 فیصد سکور دیا ہے جو سال 2015 کے سکور 50 فیصد سے 4 پوائنٹ کم ہے۔ مستقل مزاجی سے بہتری کی جانب بڑھنے کی بجائے سال 2013 کے بعد سے پاکستان میں جمہوریت کا سکور کسی حد تک ابتری کے رجحان کا مظہر ہے۔ سال 2013 میں معیارِ جمہوریت کا سکور چاروں سال میں سب سے زیادہ 54 فیصد تھا۔ سال 2014 میں یہ کم ہو کر 44 فیصد رہ گیا۔ سال 2015 میں کچھ بہتر ہو کر 50 فیصد ہوا لیکن سال 2016 کے اختتام پر یہ پھر کم ہو کر 46 فیصد رہ گیا ہے۔

شکل 1: جمہوری جائزہ سکور: 2013-2016

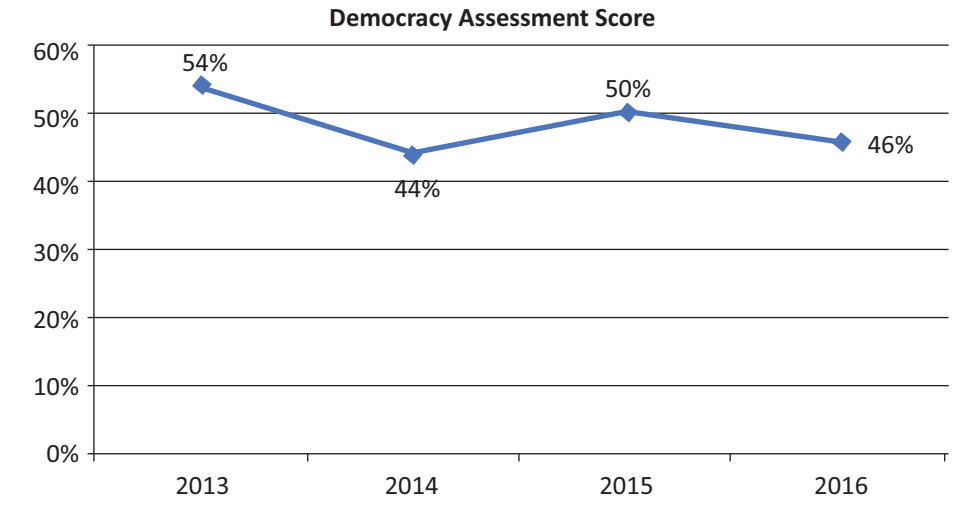

ہر سال کے سکورز میں یہ اتار چڑھاؤ پاکستان میں جمہوریت کے حوالے سے ہونے والی پیش ہائے رفت سے منسلک ہے۔ سال 2013 کو پاکستانی جمہوریت کے لئے امید بھرے سال کے طور پر دیکھا گیا کیونکہ کسی سولین صدر کے تحت پہلے دفعہ اقتدار کی منتقلی ہوئی۔ تاہم سال 2014 میں پاکستان کے جمہوری سفر کو اس وقت دھچکا پہنچا جب 2013 کے عام انتخابات کو تنازعات نے گھیر لیا اور اس کے ساتھ ساتھ پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک نے اسلام آباد میں 126 دنوں کا دھرنا دیا جس سے لگا کہ جمہوری بساط کو لپیٹ دیا جائے گا۔

سال 2015 میں 2013 کے عام انتخابات سے متعلق تنازعات کا خاتمہ اس وقت ہوا جب پاکستان تحریک انصاف کی پارلیمان میں واپسی ہوئی۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ جمہوری نظام اور منتخب حکومت دونوں سال 2014 کے سیاسی

طوفان کا سامنا کرنے کے بعد مستحکم ہوکر ابھرے۔ اگرچہ سول ملٹری تعلقات کے حوالے سے آئینی تناظر مبہم رہا۔ سال 2015 میں سکور میں بہتری آئی۔ تاہم بہترین رواں دواں جمہوریت میں سب کچھ اچھا نہ تھا کیونکہ سال 2015 کے اختتام پر جمہوری سفر میں کسی حد تک رکاوٹ اس وقت آئی جب فوجی عدالتیں قائم ہوئیں۔

امید تھی کہ سال 2016 ایسا سال ہوگا کہ اہم جمہوری اداروں کی موثر کارکردگی کیلئے اہم مطلوبہ اصلاحات کیلئے پاکستان ایک مثبت جمہوری نظام کی جانب بڑھے گا۔ آخر کار جمہوریت ایسا نظام ہے جو جمہوری گورننس کے تحت عوام الناس کے بنیادی مسائل کو حل کرنے کیلئے سودمند منزل کے حصول کیلئے جائز وسائل فراہم کرتا ہے۔ اس کی بجائے اس سال اہم جمہوری اداروں کی بنیادی کارکردگی میں شائد ہی کوئی بہتری دیکھنے میں آئی جس کے نتیجے میں یہ ادارے موثر طریقے سے مسائل کے حل میں تقریباً مکمل طور پر غیر موثر ہوکر رہ گئے اور یہ مسائل دیگر معاملات کی نظر ہوگئے۔ جیسے پاناما لیکس، منتخب حکومت کی قومی سلامتی اور خارجہ پالیسی کے شعبوں میں حتمی فیصلہ سازی کی دستوری رٹ قائم کرنے میں ناکامی اور نہ صرف قومی سلامتی کے معاملات میں بلکہ بنیادی جمہوری گورننس کے ڈھانچوں جیسے وفاقی اور صوبائی کابینہ، مشترکہ مفادات کونسل، قانون ساز اداروں میں فیصلہ سازی کے مشاورتی عمل تشکیل دینے میں اس کی واضح ناکامی بلکہ ہچکچاہٹ نظر آئی۔ ملک کے جمہوری حال اور مستقبل میں بہتری کیلئے ملک کو درپیش مسائل کو حل کرنا تو ایک طرف، اس سے زیادہ اور کیا بات باعث تشویش ہوسکتی ہے کہ جمہوری گورننس کا نظام ایک مرتبہ پھر ملک کے امن کی جانب سفر کو درپیش مسائل سے نمٹنے میں ناکام رہا۔

سال 2016 کے اختتام تک یہ بھی واضح ہوگیا کہ شخصی بنیاد پر ہونے والی سیاست اور سیاسی جماعتوں کے اندر کمزور داخلی جمہوریت نیز قانون کی بالادستی کو نظر انداز کرنا، پاکستانی جمہوریت کی اہم کمزوریاں ہیں۔

جہاں تک جمہوری نظام کو درپیش مسائل کا تعلق ہے، تو غالباً 2016 کے دوران پاکستانی جمہوری نظام کو جو سب سے بڑی رکاوٹ درپیش رہی وہ پاناما پیپرز میں منتخب حکومت کی مبینہ ہٹ دھرمی پر 2۔نومبر 2016 کو وفاقی دارالحکومت کو لاک ڈاؤن کرنے کا پاکستان تحریک انصاف کو منصوبہ تھا جو 2014 کے دوران ہونے والے دھرنے کا ہی تسلسل تھا۔ ایک اور مایوس کن صورتحال یہ بنی کہ منتخب حکومت نے وفاقی دارالحکومت کو پیش بندی کے طور پر پہلے ہی سیل کر دیا۔ قومی میڈیا پر اس کا شور رہا اور منتخب حکومت اور پاکستان تحریک انصاف بالمقابل آگئے۔ اس کا نقطہ عروج اس وقت دیکھنے میں آیا جب وزیراعلیٰ خیبر پختونخواہ جناب پرویز خٹک، ایم پی اے کو اس وقت دارالحکومت آنے سے روک دیا گیا جب وہ خیبر پختونخواہ حکومت کی بھاری مشینری کی مدد سے پاکستان تحریک انصاف کے حامیوں پر مشتمل ایک قافلے کی قیادت میں اسلام آباد آرہے تھے تاکہ وہ راستے کی رکاوٹوں کو ہٹا سکیں کیونکہ اسلام آباد آنے والی تمام قومی شاہراہیں بند کردی گئی تھیں۔

اگرچہ احتجاج کرنا پاکستان تحریک انصاف کا جمہوری حق تھا، تاہم ایک بار پھر یہ دیکھا گیا کہ پارٹی اور اس کے چیئرمین نے پاکستان مسلم لیگ نواز کی منتخب وفاقی حکومت کے خاتمے کیلئے فوج کی جانب دیکھنے سے گریز نہیں کیا۔ اس کے ساتھ ہی ریٹائر ہونے والے آرمی چیف جنرل

(ریٹائرڈ) راحیل شریف کی مدت ملازمت میں توسیع کے بارے میں بحث شروع ہوگئی اور یہ افواہیں پھیل گئیں کہ فوجی بغاوت ہونے والی ہے۔ سال 2016 میں پاکستان کی ہیجان زدہ پیش رفت کا ایک پہلو یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ ملکی جمہوری نظام کو یہ خدشات ابھی بھی لاحق ہیں۔

بالآخر سپریم کورٹ کی جانب سے پاکستان تحریک انصاف، جماعت اسلامی اور عوامی مسلم لیگ کے شیخ رشید احمد کی درخواستوں کی سماعت سے یہ صورتحال بہتر ہوئی جس سے کئی میڈیا گروپوں اور سیاسی جماعتوں کو مایوسی ہوئی۔ اس کا انجام کیا ہوگا یہ تو وقت ہی بتائے گا تاہم یہ کہنا کافی ہے کہ ملک سنسنی سے بھرپور سیاسی عدم استحکام کی گرفت میں ہے۔

جدول 1: جمہوری سکور کارڈ 2016

نمبر شمار	پیمانہ	2014	2015	2016
1	جمہوریت کا مجموعی معیار	44%	50%	46%
2	پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کی کارکردگی	49%	45%	45%
3	وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی کارکردگی	38%	35%	30%
4	غیر منتخب انتظامیہ کی کارکردگی	48%	42%	42%
5	عدلیہ کی کارکردگی اور انصاف تک رسائی	55%	49%	49%
6	میڈیا کی کارکردگی	53%	50%	45%
7	مقامی حکومتوں کا قیام اور کارکردگی	19%	31%	40%
8	آئینی فریم ورک	57%	50%	52%
9	سیکورٹی سیکٹر کی جمہوری نگرانی اور قانون کی حکمرانی	34%	29%	30%
10	انتخابی عمل اور انصرام	54%	51%	53%
11	داخلی و بیرونی جمہوریت کے حوالے سے سیاسی جماعتوں کی کارکردگی	45%	44%	42%
12	سول سوسائٹی	56%	51%	51%

خلاصہ

سال 2015 اور 2016 کے درمیان' پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کی کارکردگی کا سکور 45 فیصد پر برقرار رہا۔ جمہوری اداروں میں ہیجان زدہ پیش رفت کے حوالے سے ذرا پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کی کارکردگی ملاحظہ فرمایئے۔ پاکستان سینیٹ' جو پاکستان کی تمام مقنّنہ میں کارکردگی کا اعلیٰ معیار برقرار رکھنے میں کوشاں ہے' کے علاوہ قومی اسمبلی اور چاروں صوبائی اسمبلیوں' نیز بطور نمائندہ ادارے کے ان کی موثر کارکردگی' سال 2016 میں بھی مطلوبہ اصلاحات پر پیش رفت نہ ہونے کے برابر رہی۔ جہاں تک اسمبلیوں کا تعلق ہے' ان کے نظام اور ان کی جانب سے حکومتی نگرانی' شفافیت کے اختیارات کے موثر استعمال اور پارلیمانی بجٹ کے موثر عمل کیلئے بڑی اصلاحات کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر ذرا ان کے اہم اختیار یعنی خزانے پر اختیار کے موثر استعمال کے حوالے سے ان کی کارکردگی پر نظر ڈالئے۔

صوبائی اسمبلیوں میں بجٹ اجلاس کی سب سے زیادہ نشستیں سندھ اسمبلی کی ہوئیں (11 نشستیں) جس کے بعد خیبر پختونخواہ صوبائی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی بلوچستان کی نشستیں ہیں (دونوں کی 7 نشستیں ہوئیں)۔ موجودہ پارلیمانی سال میں صوبائی اسمبلی پنجاب کی بجٹ اجلاس کی سب سے کم نشستیں ہوئی جن کی تعداد 6 ہے۔ قومی اسمبلی نے اپنا بجٹ اجلاس 15 نشستوں میں نمٹایا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ دورانیہ آئندہ سال کا بجٹ منظور کرنے سے پہلے سال بھر کی مالیات کا جائزہ لینے کیلئے اسمبلیوں کے فرائض کے حوالے سے انتہائی ناکافی ہے۔ اس کا موازنہ ترقی یافتہ جمہوریتوں کی مقنّنہ مثلاً بھارت سے کیا جائے تو وہاں لوک سبھا کے ارکان بجٹ تجاویز کی منظوری سے قبل اس پر اوسطاً 90 دن بحث کرتے ہیں۔

بالخصوص قومی اسمبلی کے حوالے سے غالباً سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اسے اہم قومی معاملات پر بحث مباحثے اور ان کے حل کیلئے ایک فورم کے طور پر نظر انداز کیا گیا۔ ذرا پانامہ لیکس کا معاملہ ہی لے لیجئے' بجائے اس کے کہ اس کا حل پارلیمان کے اندر سے نکالا جاتا' اس پر گلیوں اور سڑکوں پر بحث ہوتی رہی اور پھر سپریم کورٹ میں۔ پانامہ پیپرز کے معاملے پر انکوائری کیلئے شرائط وضوابط کی تشکیل کیلئے پارلیمانی کمیٹی میں ہونے والا بحث مباحثہ 67 دنوں کے بعد بھی بے نتیجہ رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ' بالخصوص وزیراعظم پاکستان کے حوالے سے جنہوں نے سال 2016 کے دوران قومی اسمبلی کی مجموعی نشستوں کی صرف 10 فیصد نشستوں میں شرکت کی' یہ دیکھنے میں آیا کہ صوبائی حکومتوں کے وزراء اعلیٰ بھی اپنی اپنی اسمبلیوں میں مستحکم تعلق برقرار رکھنے میں ناکام رہے۔ مثال کے طور پر سال 2016 میں وزیراعلیٰ پنجاب نے صرف 8 فیصد نشستوں میں شرکت کی۔ اسی سال 2016 میں وزیراعلیٰ خیبر پختونخواہ نے صوبائی اسمبلی کی 23 فیصد نشستوں میں شرکت کی۔ وزیراعلیٰ بلوچستان نے صوبائی اسمبلی کے 51 فیصد اجلاسوں میں اور سندھ کے وزیراعلیٰ نے صوبائی اسمبلی کی 61 فیصد نشستوں میں شرکت کی۔

پاکستانی جمہوریت میں قومی اسمبلی کو بطور ادارہ نظر انداز کرنے کی ایک وجہ غالباً یہ حقیقت ہے کہ ووٹروں کی اپنے منتخب نمائندوں سے وابستہ توقعات میں ایک وسیع خلا ہے جس میں وہ کام شامل ہیں جو مقامی حکومتوں کے منتخب نمائندوں کو کرنے چاہئیں اور ارکان قومی اسمبلی کا اصل کام نمائندگی' نگرانی اور قانون سازی ہے۔

سال 2016 میں ہونے والی ایک اہم پیش رفت ارکان اسمبلی کی تنخواہوں میں ہونے والا تقریباً 146 فیصد اضافہ ہے اور یہ فیصلہ ہوا بھی وفاقی کابینہ میں، جبکہ ماضی میں ایسا نہیں ہوا۔[1]

وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی کارکردگی کا سکور سال 2015 کے 35 فیصد کے مقابلے میں سال 2016 میں 30 فیصد رہا اور اس طرح اس غیر متاثر کن سکور میں مزید پانچ پوائنٹ کمی آئی۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں، دونوں کی جانب سے فیصلہ سازی کا باضابطہ نظام وضع نہ ہونا، سال 2016 میں بھی ایک مسئلہ رہا۔ ذرا وفاقی کابینہ پر نظر ڈالیں جس کے سال میں کم از کم 52 اجلاس ہونے چاہئیں لیکن سال 2016 میں صرف 6 اجلاس ہوئے۔ تاہم ایک اچھی پیش رفت یہ ہوئی کہ سپریم کورٹ نے اپنے 18 اگست 2016 کے فیصلے کے ذریعے وفاقی حکومت کے قواعد کار 1973 کے قاعدہ 16(2) کو کالعدم قرار دے دیا جو وزیراعظم کو وفاقی کابینہ کو بائی پاس کرنے کا صوابدیدی اختیار دیتا تھا۔
کابینہ کے باقاعدہ اجلاس منعقد کرنے میں ہچکچاہٹ صوبائی سطح پر بھی مشاہدہ کی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر سال 2016 میں پنجاب کابینہ کے 3 اجلاس ہوئے۔ سال 2015 میں بھی 3 اجلاس ہوئے تھے۔ خیبر پختونخواہ کی صوبائی کابینہ کے سال 2016 میں 7 اجلاس ہوئے جبکہ سال 2015 میں 5 اجلاس ہوئے تھے۔ 2016 کے دوران بلوچستان کی صوبائی کابینہ کے 6 اجلاس ہوئے جبکہ 2015 میں 5 اجلاس ہوئے تھے۔ سندھ کی صوبائی کابینہ نے سال 2016 میں 6 اجلاس منعقد کئے جبکہ 2015 میں بھی اس کے 6 اجلاس ہی ہوئے تھے۔

غیر منتخب انتظامیہ کی کارکردگی کا سکور سال 2015 اور 2016 میں کسی تبدیلی کے بغیر 42 فیصد رہا جس سے مثبت پیش رفت نہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ جہاں تک غیر منتخب انتظامیہ یعنی بیوروکریسی یا سول سروس کا تعلق ہے، جو سیاسی وابستگی سے آزاد ہو، سال 2016 میں کوئی نئی قانون سازی یا اہم پالیسی سامنے نہیں آئی۔ اگرچہ سال 2016 کے دوران وفاقی وزارت برائے منصوبہ بندی، ترقیات اور اصلاحات نے سول سروس اصلاحات کے کم از کم 43 پہلوؤں پر کام کیا، تاہم اس نے بیوروکریسی میں سیاسی مداخلت کے سب سے کمزور پہلو کی روک تھام کیلئے کوئی حل تجویز کرنے کو نظر انداز کیا۔ وزارت نے اس کی بجائے دوسرے معاملات پر توجہ دی جیسے سول سروس میں داخلے کے انتخابی نظام میں تبدیلی، سول بیوروکریسی میں نئے زمروں کا متعارف کرایا جانا، ایسٹیبلشمنٹ ڈویژن کی تبدیلی، معاوضے کے پیکج میں بہتری، سول سرونٹس تبادلہ پروگرام کا آغاز وغیرہ، لیکن بیوروکریسی کو بیرونی دباؤ سے محفوظ رکھنے کے بارے میں کچھ بھی تجویز نہیں کیا۔ لہٰذا، بالخصوص سول سروس، بشمول پولیس، کے حوالے سے یہ بات مشاہدے میں آئی کہ ریاستی کارکردگی کے ان اہم بازوؤں کو وہ خودمختاری حاصل نہیں ہے جو فوج کی صورت میں نظر آتی ہے۔ غالباً سرکاری افسران اور پولیس کی 29 فیصد اور 18 فیصد کی کم اپروول ریٹنگ، اس حوالے سے کہ یہ ادارے کس قدر قابل بھروسہ ہیں، اس بات کی مظہر ہے کہ ان میں اصلاحات کی ضرورت ہے۔

سال 2015 اور سال 2016 دونوں میں **عدلیہ کی کارکردگی اور انصاف تک رسائی** کو 49 فیصد سکور ملا۔ جہاں تک عدلیہ کی کارکردگی کا تعلق ہے، سب سے بڑا مسئلہ وہی ہے کہ پاکستانی عدلیہ میں ہر سطح پر زیرالتواء مقدمات کی بھرمار ہے۔ اگرچہ 2016 کے لئے اس حوالے سے اعداد و شمار اکٹھے کئے جارہے ہیں، سپریم کورٹ میں 2016 کے شروع میں زیرسماعت مقدمات کی تعداد 27,916 تھی۔ اگست 2016

کے آخر تک یہ تعداد بڑھ کر 30,404 ہوگئی۔[2]

اس حوالے سے یہ امر قابل ذکر ہے کہ آئین کے تحت صرف ایک ادارہ ہے جو عدلیہ کی کارکردگی کا جائزہ لے سکتا ہے اور یہ ادارہ سپریم جوڈیشل کونسل ہے۔ تاہم نہ صرف میڈیا کی جانب سے بلکہ سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن اور پاکستان بار کونسل کی جانب سے بھی اس کی غیر فعالیت کی مسلسل نشاندہی کی جاتی ہے۔

اگرچہ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے ایک ''جامع مانیٹرنگ اور جائزہ نظام''[3] کی تشکیل کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ چیف جسٹس' سندھ ہائی کورٹ نے بھی ماتحت عدلیہ کی کارکردگی کے جائزے کا حکم دیا ہے۔ تاہم یہ صرف وقتی عدالتی نکتہ چینی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جج صاحبان کے احتساب کا کوئی موثر نظام موجود نہیں ہے۔

پلڈاٹ کا ماننا ہے کہ سول نوعیت کے مقدمات کے حوالے سے عدلیہ کی کارکردگی کو بہتر بنانے کیلئے تنازعات کے متبادل حل کے مختلف طریقوں کو متعارف کروانے کی ضرورت ہے۔ دوسری طرف' فوجداری مقدمات کے حوالے سے تفتیش اور پراسیکوشن سروسز کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ فوجداری نظام انصاف میں اصلاح کی ضرورت ہے۔

تاہم' 21ویں آئینی ترمیم کی ختم ہوتی ہوئی مدت کے باوجود نظام قانون میں بڑی اصلاحات شروع کئے بغیر سال 2016 اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔ اگرچہ پاکستان کے عدالتی نظام میں اصلاحات نیشنل ایکشن پلان کا ایک اہم حصہ نظر آتی تھیں' تاہم لگتا یہ ہے کہ حکومت 21ویں آئینی ترمیم میں توسیع کی کوشش کرے گی۔ بلاشبہ یہی معاملہ تحفظ پاکستان قانون کا بھی ہے جس کی پیراملٹری قوتوں کی زیر حراست رکھنے کے اختیارات سے متعلق دفعہ جولائی 2016 میں ختم ہو چکی ہے۔

معیار جمہوریت کے تناظر میں میڈیا کی کارکردگی کو 45 فیصد کا منفی سکور ملا جو سال 2015 میں اس انڈیکیٹر کو ملنے والے 50 فیصد سکور سے 5 فیصد پوائنٹ کم ہے۔ جہاں تک میڈیا کی آزادی کا تعلق ہے' پاکستان میں ہر قسم کے میڈیا گروپوں کیلئے اشتہارات سے آمدن بنیادی مالی وسیلہ ہے اور اشتہارات دینے والے ان گروپوں پر بہت حد تک اثر انداز ہوتے ہیں۔ ٹیلی کمیونی کیشن کمپنیاں' بینک' رئیل اسٹیٹ ڈویلپرز' جو دیگر کے ساتھ اشتہارات کا بڑا ذریعہ ہیں' میڈیا گروپوں کے کردار پر خاصے اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس کی بدترین مثال یہ ہے کہ جب سپریم کورٹ نے ستمبر 2016 میں کراچی میں بحریہ ٹاؤن کے ایک حصے کی تعمیر روکنے کا حکم دیا تو صرف 2 میڈیا گروپوں نے اس کو رپورٹ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ کئی میڈیا گروپوں کے معاملے میں دیکھا گیا ہے کہ ان کی کوریج کچھ سیاسی جماعتوں کی طرف واضح جھکاؤ رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر سماء ٹی وی اور آے آر وائی ٹی وی یقینی طور پر پاکستان تحریک انصاف کے حامی اور حکومتی مخالف ہیں۔ دوسری طرف جیو ٹی وی پوری طرح پاکستان تحریک انصاف مخالف ہے۔

غالباً اسی خاص وجہ سے پلڈاٹ کے رائے عامہ کے سروے کے مطابق اگرچہ میڈیا کی آزادی کو اور اس بات کو یقینی بنانے کہ یہ قانون کے دائرہ کار کے اندر اپنے فرائض سرانجام دے کے حوالے سے وفاقی حکومت کی کارکردگی کو سب سے زیادہ 64 فیصد سکور ملا' تاہم ملک گیر سطح پر سروے میں شریک افراد کے مطابق اس حوالے سے ریٹنگ 51 فیصد کی سطح پر برقرار رہی کہ آیا میڈیا نے اس بات کو یقینی بنایا کہ وہ پیشہ ورانہ طریقے سے کام کر رہا ہے اور متوازن اور درست رپورٹنگ کر رہا ہے۔ تاہم اس کا محض یہ مطلب ہے کہ اگرچہ رائے عامہ حکومت کی جانب سے میڈیا معاملات کا انصرام کرنے کے حوالے سے یقینی طور پر مثبت ہوئی' لیکن اس حوالے سے یہ کسی بھی جانب رخ کر سکتی ہے کہ میڈیا خود ذمہ داری کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ لہذا' پاکستانی میڈیا میں عوامی تائید اور اعتماد سے متعلق سوالات ابھی باقی ہیں جو ایک فعال جمہوری معاشرے کا چوتھا ستون تصور کیا جاتا ہے۔

اگرچہ مقامی حکومتوں کی تشکیل اور ان کے موثر ہونے کو سال 2015 کے 31 فیصد کے مقابلے میں سال 2016 میں 40 فیصد کا اچھا سکور ملا ہے' تاہم یہ سکور محض پاکستان بھر میں منتخب مقامی حکومت کی موجودگی کا مظہر ہے (خصوصاً سندھ' بلوچستان' خیبر پختونخواہ' کنٹونمنٹ بورڈز اور وفاقی دارالحکومت اسلام آباد) نہ کہ یہ کہ مقامی حکومت کا نظام ملک بھر میں خدمات سرانجام دینے کے لئے کس حد تک موثر انداز سے تشکیل دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ' فاٹا اور گلگت بلتستان میں مقامی حکومتوں کے انتخابات ہونا ابھی باقی ہیں۔ مقامی حکومتوں کی خود اپنی فعالیت لاپرواہی کا باعث نہیں ہے۔ یہ دیکھا جانا چاہئے کہ آیا آئین کے آرٹیکل 140-A کے تحت ضمانت دیئے گئے اختیارات تیسری سطح تک منتقل بھی کئے گئے ہیں یا نہیں جیسا کہ آئین کی منشا تھی۔ ایسا صرف خیبر پختونخواہ میں نظر آتا ہے جبکہ خودمختاری اور اختیارات کی منتقلی کے حوالے سے سندھ' پنجاب' بلوچستان' کنٹونمنٹ بورڈز اور وفاقی دارالخلافہ اسلام آباد میں مقامی حکومت کے ڈھانچے باعث تشویش ہیں۔ پنجاب میں صورت حال بالخصوص پریشان کن ہے جہاں سال 2016 کے اختتام پر پنجاب سول ایڈمنسٹریشن آرڈیننس 2016 نافذ کر دیا گیا ہے۔ اس کے ذریعے ڈپٹی کمشنر کا عہدہ بحال کر دیا گیا ہے جس کا عوام کو براہ راست خدمات فراہم کرنے والے محکموں' جیسے صحت' تعلیم' مواصلات و تعمیرات وغیرہ پر کنٹرول ہوگا۔

پاکستان کے دستوری فریم ورک کو سال 2016 میں 52 فیصد سکور ملا ہے جو سال 2015 کے 50 فیصد کے مقابلے میں دو پوائنٹ زیادہ ہے۔ اس کی بنیادی وجہ 22 ویں آئینی ترمیم ہے جس کے ذریعے الیکشن کمیشن کے ارکان کی رکنیت کی اہلیت کے بارے میں تبدیلی کی گئی ہے یعنی اب اس عہدے پر سابق بیوروکریٹس بھی تعینات کئے جا سکیں گے۔

سیکورٹی سیکٹر کی جمہوری نگرانی اور قانون کی بالادستی پاکستان کے جمہوری نظام کا ایک بار پھر مرکزی منفی انڈیکیٹر رہا۔ سال 2015 کے 29 فیصد کے مقابلے میں سال 2016 میں اس کا سکور 30 فیصد رہا' اس طرح سال 2016 میں بھی پاکستانی جمہوریت کے لئے سول ملٹری تعلقات اور سیکورٹی سیکٹر کی جمہوری نگرانی کے شعبے ایک مسئلہ کی صورت برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ نیشنل ایکشن پلان پر عملدرآمد پر منتخب حکومت

اورفوجی قیادت کے مابین واضح اختلاف کے علاوہ سال 2016 میں سول ملٹری عدم توازن میں مزید اضافہ ہوا کیونکہ فوجی قیادت قومی سلامتی اور ہماری خارجہ پالیسی کے کچھ شعبوں میں قائدانہ کردار نبھاتی نظر آئی اور منتخب حکومت پس منظر میں رہی۔ تاہم، پاکستان کے جمہوری سفر میں ایک اہم پیش رفت اور سنگ میل نومبر 2016 کے آخر میں ملٹری قیادت کی تبدیلی رہا اگرچہ افواہیں اس کے برعکس گردش کر رہی تھیں۔ اس بات کا سہرا سابق آرمی چیف، جنہوں نے 9 ماہ قبل ہی اپنی ریٹائرمنٹ کا اعلان کر دیا تھا اور وزیراعظم، جو توسیع نہ دینے کے اپنے اصول پر ڈٹے رہے، دونوں کو جاتا ہے۔ اگرچہ اس حوالے سے مختلف سیاسی اور میڈیا کے حلقوں میں بہت شور وغوغا مچایا جا رہا تھا، تاہم اب بھی پاکستان میں سول ملٹری تعلقات ایسا عنصر ہے جس پر معیارِ جمہوریت واحد ایک پورے نظام کے طور پر انحصار پذیر ہے۔

نیشنل سیکورٹی کونسل، جس کے اگست 2013 میں اس کی تشکیل کے بعد سے اب تک صرف چھ اجلاس ہوئے، کا تقریباً غیر فعال ہونا اس تشویشناک صورت حال کا ایک اور پہلو ہے جہاں قومی سلامتی کے امور سے متعلق فیصلہ سازی کے لئے کسی موثر نظام کا فقدان برقرار ہے۔

انتخابی عمل اور انصرام کو سال 2016 میں 53 فیصد سکور ملا جبکہ سال 2015 میں اسے 51 فیصد سکور ملا تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف ایک اہم پیش رفت ہوئی یعنی 22 ویں آئینی ترمیم جس کے ذریعے الیکشن کمیشن آف پاکستان کے سربراہ اور ارکان کی اہلیت کے حوالے سے طویل عرصے سے مطالبہ کی جانے والی ضروری تبدیلی کی گئی۔ اس کے علاوہ ایک اور پیش رفت یہ ہوئی کہ انتخابی اصلاحات پر قائم پارلیمانی کمیٹی نے، اپنی ہی طے کردہ مقررہ مدت کے بعد خاصی تاخیر سے ہی صحیح، 18 دسمبر 2016 کو بالآخر ایک جامع انتخابی اصلاحات کے بارے میں قانونی پیکج پر مبنی اپنی رپورٹ پارلیمان کو بھیج دی جس کا نام مسودہ قانون انتخابات 2017 ہے۔

داخلی اور بیرونی جمہوریت کے حوالے سے سیاسی جماعتوں کی کارکردگی کو سال 2015 میں حاصل کردہ 44 فیصد سکور کے مقابلے میں سال 2016 میں 42 فیصد سکور ملا۔ سال 2016 میں بھی پاکستان کی جمہوریت کے معیار کے حوالے سے سیاسی جماعتوں کی داخلی جمہوریت ایک سوالیہ نشان رہی۔ ماسوائے چند مثبت پیش ہائے رفت کے کوئی خاص بہتری نہیں آئی، جیسے پاکستان مسلم لیگ۔نواز کے جماعتی انتخابات، جو کسی حد تک رسمی کارروائی تھے، ایم کیو ایم کا لندن سے سیٹلائٹ کے ذریعے چلانے کی بجائے بطور ایک ملکی جماعت تشکیل پانا۔ درحقیقت، بالخصوص پاکستان تحریک انصاف، جسے داخلی جمہوریت کے حوالے سے دیگر سیاسی جماعتوں کے لئے ایک رول ماڈل کے طور پر دیکھا جاتا تھا، کے حوالے سے ایک بڑا دھچکا اس وقت دیکھنے میں آیا جب اس جماعت نے اپنے جماعتی انتخابات منسوخ کر دیئے جس کی وجہ احتجاجی مہم بتائی گئی اور یہ پاکستان میں سیاسی جماعتوں کی داخلی جمہوریت کے حوالے سے ایک بڑا دھچکا تھا۔ لہذا، جیسا کہ پہلے بھی تحریر کیا گیا تھا کہ اچھی خاصی انتخابی کامیابی رکھنے والی بڑی سیاسی جماعتیں اپنے قائدین کی مرہون منت برقرار ہیں اور ان میں اہم پالیسی معاملات پر باضابطہ فیصلہ سازی کا عمل یا تو بہت کم ہے یہ بالکل نہیں ہے۔

پاکستانی سول سوسائٹی سال 2015 اور 2016 میں کسی تبدیلی کے بغیر 51 فیصد سکور حاصل کر کے اسی طرح کام کر رہی ہے جیسے پہلے کر رہی تھی۔ اگرچہ اسے کچھ کامیابی حاصل ہوئی ہے جیسے اپریل 2016 میں یوٹیوب کی بندش کا خاتمہ اور امداد علی کی پھانسی کی حالیہ مثال، دیکھا گیا

خلاصہ

ہے کہ سول سوسائٹی کی زیادہ تر تنظیمیں اہم مسائل جیسے غربت کا خاتمہ، صارفین کے حقوق کا تحفظ، ماحولیاتی تحفظ وغیرہ اور جمہوری نظام کے اند کام کرتے ہوئے ان کا قابل عمل حل تلاش کرنے میں پریشان کن حد تک بے اعتنائی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ، پاکستان میں کام کرنے والی زیادہ تر غیر سرکاری تنظیمیں بیرونی فنڈنگ کی بنیاد پر کام کرتی ہیں اور اپنے لئے اپنی جانب سے بہت کم وسائل پیدا کرتی ہیں۔ لہذا

، بہت سے غیر ملکی ڈونرز ملک میں کام کرنے والی NGOs کے لئے ایجنڈا طے کرتے ہیں۔ مختلف فورمز پر ایک نئے قانون کے ذریعے ان NGOs پر ممکنہ نئی پابندیوں کا معاملہ زیر بحث آتا رہتا ہے اور NGOs کے انضباط کے لئے مجوزہ قانون بھی سامنے آتا رہتا ہے۔ بظاہر، NGOs کو کنٹرول کرنے کے لئے وفاقی اور کچھ صوبائی حکومتی شعبے ایک خواہش اور ارادہ رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے http://www.dawn.com/news/1298276

۲۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے
http://tribune.com.pk/story/1183991/new-judicial-year-sc-faces-record-surge-number-cases

۳۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے
http://www.thenews.com.pk/print/145651-Performance-of-judicial-officers-to-be-evaluated-says-LHC-CJ

پلڈاٹ
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمینٹ
اینڈ ٹرانسپیرینسی

اسلام آباد آفس: پی، او، باکس 278، F-8، پوسٹل کوڈ: 44220، اسلام آباد، پاکستان
لاہور آفس: پی، او، باکس 11098، L.C.C.H.S، پوسٹل کوڈ: 54792، لاہور، پاکستان

ای میل : info@pildat.org
ویب : www.pildat.org